© rasailojaraid.com

فاران اکادمی کا آخری اجلاس

مختار پارس

فاران اکادمی کا آخری اجلاس ۱۵/نومبر ۲۰۰۹ء کو کعبۃ اللہ کے مطاف میں بعد نمازِ فجر منعقد ہوا۔ صدارت ذوالکفل بخاری کے جسدِ خاکی نے کی۔ حاضرینِ مجلس کی تعداد تو شاید لاکھوں میں تھی لیکن سارے چہرے اجنبی تھے۔ اجلاس چونکہ ہنگامی نوعیت کا تھا، اس لیے صدرِ مجلس کے دوست اس محفل میں شرکت نہ کر سکے۔ بخاری کے گھر والے پہلے بھی اس کی ادبی تقریبات میں شرکت شاذ و نادر ہی کرتے تھے۔ اس دن بھی دارِ بنی ہاشم سے فاران اکادمی کے اس اہم اجلاس میں شرکت کے لیے کوئی نہ آیا۔ جانے کون لوگ تھے جنھوں نے ذوالکفل بخاری کے خاموش خطبۂ صدارت کو سر دھن کر سنا اور خاکِ بنو ہاشم کو اٹھا کر جنتِ معلیٰ میں بکھیر آئے۔

داستانِ رفاقت اچانک ختم ہوگئی اور کہانی کے کردار یکلخت اپنے اپنے انجام کو دیکھے بغیر ریگزارِ گماں میں گم ہوگئے۔ پہلی ملاقات میں ہم ایسے ملے تھے جیسے کئی نسلوں کی شناسائی تھی۔ میں نے اپنے نانا سے اُن کے نانا کا تذکرہ سن رکھا تھا۔ اپنے بابا سے موچی گیٹ کے احوال بھی روز سنتے تھے۔ ایسے میں جب ان سے پہلی بار مصافحہ کیا تو اس ایک لمحے میں جنم لینے والی دوستی کا وقت کی کسی سرحد سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ پچھلے سال میرے گھر آئے تو اپنے عطاء المکرم کی میرے حسنات سے دوستی کروا گئے۔ یہ آنے والے وقتوں کے لیے بہت ضروری تھا۔ اس سال عطاء المکرم اکیلا واپس آیا۔ میں نے اُس کے ننھے ہاتھوں کو ٹٹول کر، اُس کی روشن آنکھوں میں جھانک کر ذوالکفل کی جھلک دیکھنے کی بہت کوشش کی۔ وہ جھلک تو یقیناً وہاں موجود تھی مگر مجھ سے زمانوں دور۔ وہ آنکھیں جو میری روح تک رسائی رکھتی تھیں، وہاں موجود تو تھیں مگر انھیں اب کچھ اور دیکھنا تھا۔ ہمیں اپنے حصے کی رفاقت دے کر اس نے نگاہیں وقت کے کسی اور دروازے پر رکھ دیں۔ سات سال سے حجاز کے مدار میں گھومنے والے کو بالآخر منزل مل ہی گئی۔

ڈاکٹر رب نیاز سے ان کا گہرا راز و نیاز تھا۔ مجھے اُن سے گلہ ہے کہ انھیں معلوم تھا لیکن انھوں نے پھر مسافر کا راستہ نہیں روکا۔ مسافر نے ایک بار شکوہ کیا کہ عزمِ سفر باندھتا ہوں مگر ہر بار کوئی زنجیر قدموں کو روک لیتی ہے۔ رب نیاز نے کہہ کہہ کر اُن کے عزم کو اور پختہ کر دیا کہ منزل اگر بلا رہی ہے تو آپ جائیں گے ضرور۔ نہیں معلوم کہ رب نیاز نے ذوالکفل بخاری کا وہ آخری خط کھول کر پڑھا بھی ہے یا نہیں جو اسے ان کی وفات کے بعد موصول ہوا ہے۔ اسے ضرورت تو نہیں ہے اس مراسلے کو چاک کرنے کی۔ وہ تحریر ذوالکفل کی جبینِ شوق پر ثبت اشاروں سے مختلف نہیں ہوگی۔ رب نیاز نے ایک روز پوچھا کہ آج کچھ مضطرب نظر آتے ہیں! خیریت؟ جواب میں آنکھیں بھر آئیں۔ آواز لرز گئی۔ کہنے لگے کہ آج حضرت نے مجھے کچھ عجیب نظروں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے دیکھا ہے۔ یہ کہہ کر آنکھیں اور بھیگ گئیں۔ رب نیاز نے حوصلہ دیا کہ فقیر کی نگاہ سے کچھ ملا ہی ہوگا۔ رنجیدہ کیوں ہوتے ہیں؟ جواب کچھ نہیں آیا مگر ہچکی اور بندھ گئی۔ وہ لمحے چٹکی بجاتے میں بیت گئے۔ نئے لمحوں میں پرانے رونے والے نہ رہے اور نئے رونے والوں نے پرانے لمحوں کی ارادت اختیار کر لی۔ کون ہجر میں ہے اور کون فراق میں، کون مرشد ہے اور کون مرید، کسے خبر ہے اور کسے نہیں، یہ کون جانتا ہے۔ جو جانتا تھا وہ بجھارتیں ڈال کر چلا گیا۔ اور پہیلیاں بوجھنے والے عالمِ بے یقینی میں ابھی بھی پوچھتے ہیں کہ یہ کیا ہوا؟

خالد مسعود ہمیں کہتا تھا کہ ذوالکفل جیسا روشن خیال مولوی پورے پاکستان میں نہیں ہے۔ ایک دفعہ میں نے بہت سوچا کہ خالد مسعود نے یہ کیا بات کہی۔ بہت غور وفکر کے بعد ہجومِ یاراں پر نگاہ ڈالی تو راز افشا ہوگیا۔ درحقیقت وہ فقط آئینہ تھا۔ ہر شخص کو وہ اپنے جیسا لگتا تھا۔ وہ امید تھی، ستارہ تھا، سراب تھا یا گرداب، وہ وہی تھا جو اس کے سامنے تھا۔ کبھی وہ میں تھا اور کبھی وہ کوئی اور۔ ایسے شخص کو تو اچانک ہی غائب ہونا تھا۔ نہ جانے کتنے لوگ ہیں جنھوں نے تب سے اپنا چہرہ نہیں دیکھا۔

ایک بار نہ جانے مجھے کیا ضرورت تھی کہ ذوالکفل کو ڈھونڈ رہا تھا، اور وہ کہیں موجود نہ تھا۔ رفیقِ دیرینہ ذیشان قادری سے اسی اثنا میں کہیں ملاقات ہوگئی تو کہا کہ بخاری صاحب نہیں مل رہے، اور ضرورت بھی شدید ہے۔ وہ کھلکھلا کر ہنسا اور بولا کہ جناب ادھر ادھر بھاگ کر ہلکان نہ ہوں۔ ملتان کی کسی سڑک پر خاموشی سے کھڑے ہو جائیں، بخاری صاحب اپنے کالے ہنڈا پر پندرہ بیس منٹ میں وہاں سے ضرور گزریں گے۔ اب تو بیسیوں دن گزر گئے۔ ملتان کی سڑکوں پہ گھنٹوں کھڑے ہو کر دیکھا ہے۔ لگتا ہے اس شخص نے اب راستہ بدل لیا ہے۔ مجھے اس سے کوئی اور کام نہیں۔ مجھے صرف انھیں یہ بتانا ہے کہ پندرہ نومبر سے پندرہ دن پہلے جو دوائیاں میری علیل اماں کے لیے دے گئے تھے، وہ ابھی ویسے کی ویسے پڑی ہیں۔ شاید انھیں خبر نہ ہو کہ پندرہ نومبر کے پندرہ دن بعد میری اماں بھی چل بسی تھیں۔ مجھے تو صرف یہ پوچھنا ہے کہ یہ کیسی رمزِ کائنات ہے کہ امیدوں کے چراغ جلانے والے پہلے عازمِ سفر ہو جاتے ہیں اور چراغ ہوائے ناموافق میں گل کہیں بعد میں ہوتے ہیں۔ مجھے کہنا تھا کہ اس سال کی سردیوں نے میرے ساتھ بڑی سرد مہری دکھائی۔ ۲۰۰۹ء کی زمستانی ہواؤں میں نہ چراغ رہا اور نہ دودِ چراغِ محفل۔

© rasailojaraid.com